AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

غیر مسلموں کے بارے میں مستشرقین اور مرتدین اسلام کے افکار و منہج: ایک علمی و تنقیدی جائزہ

ORIENTALIST AND APOSTATE APPROACHES TOWARDS NON-MUSLIMS: AN ANALYTICAL AND CRITICAL STUDY

Sadia Shabbir
Ph.D scholar,Department of islamic studies ,GC university Faisalabad
sadiashabbir825@gmail.com
Dr.Sanaullah Rana Al.azhari
Associate Professor ,Department of Islamic Studies Bahria University Islamabad
sanaullah.buic@bahria.edu.pk
Ayesha Shabbir Ahmed
Lecturer,GCWU,Sialkot
ayesha.shabbir@gcwus.edu.pk

Abstract:

This research critically examines the intellectual and methodological frameworks of both Orientalists and apostates regarding non-Muslims in the context of Islam. It seeks to explore the ideological convergence between these two seemingly distinct groups, especially in their objectives, rhetoric, and conclusions concerning Islamic teachings about non-Muslims. The study delves into how Orientalist discourse, grounded in colonial and post-Enlightenment paradigms, often mirrors the rhetoric of modern apostates who emerge from within Muslim societies. These groups commonly portray Islamic teachings on non-Muslims as inherently intolerant or supremacist, ignoring the comprehensive and nuanced treatment of humanity in Islamic thought.The paper further highlights the responses of prominent Muslim scholars such as Allama Shibli Nu'mani, Sayyid Qutb, Dr. Hamidullah, and Dr. Fathi Yakan, who provided structured and scholarly refutations based on Qur'anic principles, prophetic traditions, and rational argumentation. Modern Islamic scholarship, aided by academic methodologies and linguistic analysis, continues to challenge Orientalist and apostate assertions with a blend of traditional knowledge and contemporary research tools.In addition, the paper discusses the influence of Orientalist and apostate narratives within Western universities, media, and digital platforms, noting how curricula, media framing, and social networks contribute to shaping perceptions about Islam and its stance on non-Muslims. This research concludes by offering a balanced Islamic perspective based on original sources, emphasizing justice, mercy, and human dignity.

Keywords: Islam and Non-Muslims,Orientalism, Apostasy in Islam,Apostate Rhetoric, Qur'anic Ethics, Western Academia, Interfaith Dialogue, Islamic Humanism

موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات اور پیغامِ نبویؐ کے بارے میں جو فکری و تہذیبی اعتراضات سامنے آتے ہیں، ان میں ایک بڑا حصہ مستشرقین (Orientalists)اور جدید دور کے مرتدین(apostates) کے افکار و مناہج پر مشتمل ہے۔ان دونوں گروہوں کی تحریریں، علمی سر گرمیاں،اور میڈیا بیانیے نہ صرف دینِ اسلام کی اساسات کو چیلنج کرتے ہیں بلکہ امت مسلمہ کی فکری بنیادوں کو متزلزل کرنے کی ایک منظم کوشش کی نمائندگی کرتے ہیں۔اگرچہ ان دونوں کے پسِ منظر،اغراض،اور مخاطبین مختلف ہیں، مگر ان کے مقاصد،اسلوب اور فکری ذرائع میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ان اعتراضات،ان کی علمی و منطقی کمزوریوں،اور ان کے محرکات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے۔خاص طور پر قرآن مجید،سنتِ نبویؐ،وحی،اور سیرتِ طیبہؐ پر کیے گئے اعتراضات کے تاریخی و فکری تسلسل کو اجاگر کیا گیا ہے، جنہیں مستشرقین اور مرتدین نے اپنے فکری حملوں کا مرکزی ہدف بنایا۔اس مقالے میں علامہ شبلی نعمانی، سید قطب،ڈاکٹر حمید اللہ،اور ڈاکٹر فتحی یکن جیسے جلیل القدر اسلامی مفکرین کی علمی کاوشوں کا جائزہ بھی شامل ہے، جنہوں نے نہایت مضبوط استدلال، منطقی منہج،اور سائنسی طرزِ تحقیق کے ذریعے ان افکار و شبہات کا مدلل اور مؤثر جواب دیا۔مستشرقین کا علمی منہج عموماً ایک استعماری ذہنیت اور تہذیبی برتری کے خمار سے لبریز ہوتا ہے، جبکہ مرتدین کا منہج داخلی احساسِ کمتری،انتقامی نفسیات،اور ذاتی تجربات کا پر تو ہوتا ہے۔تاہم،ان دونوں کے اثرات تعلیمی اداروں، مغربی جامعات، سوشل میڈیا،اور مینسٹریم میڈیا کے ذریعے مسلم معاشروں میں پھیلائے جا رہے ہیں۔ مقالے میں ان اثرات کا تجزیہ بھی شامل ہے، خاص طور پر مغربی نصاب، میڈیا بیانیوں اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز میں موجود فکری گمراہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس امر پر زور

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دیتا ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلمان محققین کو صرف جذباتی ردِعمل کی بجائے تحقیقی و فکری انداز اپنانا ہوگا، جس میں قرآن وسنت کی روشنی اور جدید علمیات کی روشنی میں استشراقی وارتدادی افکار کا جامع اور مدلل محاکمہ پیش کیا جائے، تاکہ فکری استقامت اور تہذیبی خوداعتمادی پیدا ہوسکے۔اس مطالعے کا مقصد نہ صرف شبہات کا رڈ کرنا ہے بلکہ ایک فکری مزاحمت کی بنیاد فراہم کرنا بھی ہے جو اسلامی تہذیب کو درپیش نظریاتی یلغار کا مقابلہ کرسکے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو صرف عقائد و عبادات پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس کی تعلیمات میں ایک مکمل تہذیبی، اخلاقی، سیاسی، قانونی اور تمدنی نظام شامل ہے۔ یہی جامعیت وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بناپر اسلام نہ صرف اپنے ماننے والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا بلکہ غیر مسلم دنیا، خصوصاً مغربی مفکرین، مستشرقین اور بعد ازاں اسلام سے منحرف ہونے والے افراد (مرتدین) کے لیے بھی مستقل توجہ کا مرکز رہا۔ غیر مسلم مستشرقین کی اسلام پر تحقیق کا آغاز اگرچہ علمی تجسس سے ہوا، لیکن بہت جلد یہ تحقیق ایک خاص فکری و تہذیبی ایجنڈے کا حصہ بن گئی۔ان میں سے کئی افراد نے اسلام کے بنیادی اصولوں، سیرت نبوی ﷺ، قرآن مجید، اسلامی فقہ، اور تاریخ پر تنقیدی انداز اختیار کیا۔اسی طرح بعض وہ افراد جو پہلے خود مسلمان تھے، لیکن بعد ازاں نظریاتی یا نفسیاتی بنیادوں پر ارتداد کے راستے پر گامزن ہوگئے، وہ بھی اسلام پر انتہائی سخت تنقید کرنے لگے۔اس تنقید کے اثرات مسلم معاشروں، نوجوان نسل، تعلیم و تربیت کے نظام اور فکری رجحانات پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس تنقیدی رویے کو محض خارجی علمی سرگرمی کے طور پر نظرانداز کرنا مناسب نہیں۔اس تحقیق کا مقصد یہی ہے کہ ان افکار و مناہج کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ ان کے پسِ پردہ محرکات، اندازِ فکر، اور منطقی مغالطوں کو واضح کیا جاسکے۔

استشراق کی لغوی و اصطلاحی تعریف، تاریخی پس منظر

استشراق (Orientalism) ایک علمی، فکری اور تہذیبی اصطلاح ہے جو عام طور پر مشرقی اقوام، بالخصوص اسلامی دنیا، اس کی تاریخ، تہذیب، علوم، ادیان، ادب اور فلسفے کے مغربی مطالعے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ لغوی طور پر "استشراق" عربی میں "شرق" سے نکلا ہے، جس کے معنی "مشرق" یا "طلوع" کے ہیں۔"استشراق" کا مطلب ہے "مشرق کی طرف توجہ کرنا یا مشرقی علوم کا مطالعہ کرنا"۔

اصطلاحی طور پر، استشراق ایک ایسا منہج ہے جس کے تحت مغربی دانشور اور محققین مشرقی اقوام کے علم، ثقافت، مذہب، زبان اور تاریخ کو اپنے زاویۂ نگاہ سے پرکھتے اور بیان کرتے ہیں۔اس کا مقصد بظاہر علمی تحقیق ہے، مگر اکثر اوقات اس تحقیق کے پس پردہ مقاصد استعماری، مذہبی یا سیاسی ہوتے ہیں۔

مشہور مستشرق ایڈورڈ سعید استشراق کی تعریف یوں کرتا ہے:

> "Orientalism can be defined as a Western style for dominating, restructuring, and having authority over the Orient[1]".
>
> "استشراق کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ یہ مشرق پر غلبہ پانے، اسے از سرِ نو تشکیل دینے اور اس پر اختیار قائم کرنے کا ایک مغربی اسلوب ہے۔"

ایڈورڈ سعید کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استشراق محض ایک علمی سرگرمی نہیں بلکہ اس میں طاقت، استعمار اور ذہنی غلبے کا عنصر بھی شامل ہے۔اسی تصور نے اسلامی دنیا میں استشراق کے خلاف ایک فکری بیداری کو جنم دیا۔استشراق کی تاریخی جڑیں بہت قدیم ہیں، مگر یہ خاص طور پر صلیبی جنگوں (Crusades) کے زمانے میں سامنے آیا جب مغرب نے اسلامی دنیا کو دشمن کے طور پر دیکھا اور اس کے مقابلے کے لیے علمی و مذہبی طور پر تیاری کی۔ بعد ازاں اندلس کے سقوط اور برصغیر، مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ میں استعمار کے پھیلاؤ کے ساتھ استشراقی سرگرمیوں نے باقاعدہ ادارہ جاتی شکل اختیار کرلی۔ علامہ شبلی نعمانی مستشرقین کی اس فکری تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مستشرقین نے اسلام کو ایک اجنبی اور ناقابلِ فہم تہذیب کے طور پر پیش کرنے کی سعی کی، اور ان کے نزدیک یہ مذہب انسانی فطرت سے ہٹ کر کسی تعصب کی پیداوار ہے۔"[2]

[1] سعید، ایڈورڈ، استشراق، ترجمہ: محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2001، ص 11۔

[2] شبلی، شبلی نعمانی، الکلام، مکتبہ شبلی، اعظم گڑھ، 1913، ص 44۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ مستشرقین کی کوشش صرف اسلام کا مطالعہ نہیں بلکہ اس کی تحقیر اور تحریف پر مبنی تھی۔ان کا نقطۂ نظر اکثر ایک تہذیبی برتری کے دعوے پر قائم ہوتا تھا۔اسلامی مفکرین نے اس منہج پر کئی پہلوؤں سے تنقید کی ہے، جن میں سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین نے اسلامی علوم کو اندرونی فہم اور ایمانی وابستگی کے بغیر، صرف ایک خارجی، سرد اور اکثر تعصب آلود زاویے سے دیکھا۔ڈاکٹر فتحی یکن لکھتے ہیں:

"الاستشراق لم يكن علماً محضاً، بل كان جسراً للاستعمار والتبشير في العالَم الإسلامي."[3]

"استشراق محض ایک علم نہ تھا بلکہ وہ عالم اسلام میں استعمار اور عیسائیت کی تبلیغ کا ایک پل تھا۔"

مندرجہ بالا اقتباسات اور تاریخی پس منظر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استشراق ایک پیچیدہ اور تہذیبی مسئلہ ہے، جسے صرف علمی سطح پر ہی نہیں بلکہ نظریاتی اور فکری جہت سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسلام پر مستشرقین کی توجہ کے اسباب

اسلام پر مستشرقین کی توجہ محض علمی تجسس کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے کئی گہرے، تہذیبی، سیاسی، استعماری اور مذہبی مقاصد کارفرما تھے۔اس کا آغاز اگرچہ اسلامی تہذیب کے علمی و تمدنی عروج کے دور میں ہوا، مگر جلد ہی استشراق مغرب کی سیاسی حکمتِ عملی، مذہبی برتری اور استعماری منصوبوں کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔اس حصے میں ہم ان اسباب کا تحقیقی اور تنقیدی تجزیہ پیش کریں گے۔

علمی محرکات

ابتدائی دور میں بعض مستشرقین واقعی علمی جستجو کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے علوم کا مطالعہ کرتے تھے۔اسلامی دنیا میں طب، ریاضی، فلکیات، فلسفہ، منطق، لغت اور تفسیر جیسے علوم کی ترقی نے یورپ کے علمی حلقوں کو متاثر کیا۔ان میں سے بعض نے عربی زبان سیکھی اور اسلامی مصادر کی تلاش میں عرب دنیا کے سفر کیے۔ڈاکٹر ضیاءالدین سردار لکھتے ہیں:

"قرونِ وسطیٰ کے یورپی علماء جب اندلس اور سسلی میں مسلمانوں کی علمی ترقی سے متعارف ہوئے تو ان کے ہاں اسلامی علوم کے تراجم کی ایک تحریک شروع ہوئی، جس نے بعد میں رینیسانس کو جنم دیا۔"[4]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ علمی تجسس ایک حد تک خالص تھا، لیکن جلد ہی یہ فکری تجسس تہذیبی تصادم میں تبدیل ہو گیا۔

2.سیاسی و تہذیبی مقاصد

اسلام کو مغربی دنیا نے ہمیشہ ایک تہذیبی چیلنج کے طور پر دیکھا۔خصوصاً صلیبی جنگوں (Crusades) کے بعد یورپ کے سیاسی حلقے اسلام کو صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی نظام کے طور پر بھی دیکھنے لگے۔مسلمانوں کی سیاسی طاقت اور خلافتِ اسلامیہ کا وجود مغرب کے سیاسی عزائم کے لیے ایک مستقل رکاوٹ تھا۔ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"استشراق کو سمجھنے کے لیے صلیبی جنگوں کے اثرات کا جائزہ لینا ناگزیر ہے، کیونکہ مغرب نے اسلام کو شکست دینے کے لیے پہلے عسکری اور پھر علمی ہتھیار استعمال کیے۔"[5]

اسلام کے سیاسی نظام، عدالت، زکوٰۃ، جہاد اور خلافت پر مستشرقین کی تنقید اکثر اسی سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کا ذریعہ بنی۔

استعماری مقاصد

---

[3] یکن، فتحی، کیف ندعوالناس؟، مکتبہ الرسالہ، بیروت، 1982، ص102۔

[4] سردار، ضیاءالدین، مغرب میں اسلام کا تصور، دارالعلم، لاہور، 2005، ص29۔

[5] غازی، محمود احمد، محاضراتِ استشراق، دارالاشاعت، کراچی، 2010، ص45۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

انیسویں اور بیسویں صدی میں جب یورپ نے افریقہ، ایشیا اور مشرق وسطیٰ پر اپنا قبضہ جمایا، تو مستشرقین نے بطور علمی مشیر، مترجم اور ماہرین ثقافت نو آبادیاتی طاقتوں کے ساتھ کام کیا۔ ان کے مطالعے محض کتابی نہیں تھے بلکہ زمینی سطح پر استعمار کی حکمت عملی کا حصہ بن چکے تھے۔

ایڈورڈ سعید اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

> "Orientalism helped to create and justify the colonial enterprise by constructing a distorted image of the Orient that suited the West's agenda[6]".
>
> "استشراق نے نو آبادیاتی منصوبے کو اس طرح علمی جواز فراہم کیا کہ اس نے مشرق کی ایسی بگڑی ہوئی تصویر تخلیق کی جو مغرب کے مفادات سے ہم آہنگ تھی۔"

اس طرح مستشرقین کی کتابیں، نقشے، لغات اور تاریخی تجزیے استعمار کے لیے معلوماتی ہتھیار بن گئے۔

مذہبی مقاصد (تبشیری عزائم)

اسلام کو مغرب کی مسیحی دنیا ہمیشہ ایک عقائدی چیلنج کے طور پر دیکھتی رہی ہے۔ عیسائی مشنری تنظیموں نے مستشرقین کے ساتھ مل کر اسلام کو ایک "خطرناک مذہب" کے طور پر پیش کیا تاکہ عیسائی عوام کو بیدار کیا جا سکے اور مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف لانے کی منصوبہ بندی کی جا سکے۔ ڈاکٹر محمد قطب لکھتے ہیں:

> "بیشتر مستشرقین کی اصل تربیت کلیسائی اداروں میں ہوئی، اور ان کی تحریروں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے بدظن کرنا اور عیسائیت کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا۔"[7]

اسی لیے ہمیں کئی مستشرقین کی تحریروں میں اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے، قرآن و حدیث کو مشکوک بنانے، اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پر بے بنیاد الزامات نظر آتے ہیں۔ ان تمام محرکات علمی، سیاسی، استعماری اور مذہبی کا مجموعہ استشراق کو ایک ایسا فکری محاذ بنا دیتا ہے جہاں صرف علمی تجزیہ کافی نہیں بلکہ تہذیبی بصیرت اور فکری تدبر کی بھی ضرورت ہے۔ مستشرقین کے افکار کو ان کے محرکات سے جدا کر کے دیکھنا سراسر سادہ لوحی ہو گی۔

مستشرقین کا منہج تحقیق مفروضات، تعصبات اور علمی رویے

مصادر، متون، حدیث و تاریخ کی تعبیر میں روش

مستشرقین کے تحقیقی منہج کو سمجھے بغیر ان کی تحریروں اور تنقیدات کو مکمل طور پر پرکھنا ممکن نہیں۔ بظاہر مستشرقین نے اسلام پر علمی اور تاریخی بنیادوں پر تحقیق کی، مگر ان کی علمی روش میں متعدد مقامات پر مفروضات، تعصبات، ثقافتی برتری کے احساس، اور دینی مخالفت جیسے عناصر غالب دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے تحقیقی رویے کو جانچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کے مصادر کے انتخاب، متون کی تعبیر، حدیث کی تنقید اور اسلامی تاریخ کے فہم کو تفصیل سے پرکھیں۔

مصادر (Sources) کے انتخاب میں جانبداری

مستشرقین نے اسلامی علوم کے مطالعے میں جن مصادر کو بنیاد بنایا، ان میں اکثریت یا تو غیر مستند یا غیر معتمد ذرائع پر مبنی تھی یا پھر انہوں نے متون کو سیاق و سباق سے کاٹ کر ان کا مفہوم بدلا۔ اکثر مستشرقین نے شیعہ، خوارج، معتزلہ جیسے فرقوں کی کتب کو اہلِ سنت کے اصولی مواقف پر فوقیت دی اور متنازع آراء کو عام اسلامی تعلیمات کے طور پر پیش کیا۔ ڈاکٹر فتحی یکن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "المستشرقون يختارون ما يوافق نظرتهم من المصادر، ويتجاهلون كتب العقيدة الصحيحة و التفسير و الحديث المعتبرة."

---

[6] سعید، ایڈورڈ، استشراق، ترجمہ: محمد عنایت اللہ اسد سبحانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2001، ص 54۔

[7] قطب، محمد، مذاہب باطلہ اور اسلام، مکتبۃ الفرقان، لاہور، 2000، ص 87۔

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"مستشرقین ان ہی ذرائع کو اختیار کرتے ہیں جو ان کے نظریے سے ہم آہنگ ہوں، اور معتبر عقائد، تفسیر اور حدیث کی کتب کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔"[8]

مثلاً مشہور مستشرق گولڈزیہر (Ignaz Goldziher) نے اسلامی فقہ پر تنقید میں جن کتب کا استعمال کیا، وہ اکثر معتزلی تفاسیر یا شاذ روایات پر مشتمل تھیں، جنہیں اہلِ سنت کے نزدیک کوئی وزنی حیثیت حاصل نہ تھی۔

متون کی تعبیر میں مغربی تناظر اور ثقافتی تعصب

مستشرقین نے اسلامی متون، بالخصوص قرآن و حدیث کی تعبیرات میں مغربی فلسفہ، عیسائی الٰہیات، اور سوشیالوجی کے اصولوں کو معیار بنایا۔ ان کے نزدیک مذہب کا ہر تصور تاریخی ترقی کے مراحل سے گزرتا ہے، اور اس کے پیچھے کوئی مادی یا نفسیاتی محرک ہوتا ہے۔ اس تناظر میں وہ قرآن کی آیات کو بھی جدلیاتی یا سیاسی تحریر کے طور پر دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"مستشرقین کی علمی لغزش یہ ہے کہ وہ اسلامی متون کو اسلامی تناظر میں نہیں بلکہ مغربی سوشیالوجیکل یا ایوولیوشنری اصولوں کے تحت سمجھتے ہیں۔"[9]

اسی لیے بعض مستشرقین، جیسے نولڈکے (Theodor Nöldeke)، نے قرآن کو تاریخی دستاویز کے طور پر دیکھا اور اس کی نزولی ترتیب کو چیلنج کیا، حالانکہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن کی ترتیب توقیفی ہے۔

حدیث پر علمی حملے اور منہجی انحراف

حدیث، اسلامی شریعت کا دوسرا اہم ماخذ ہے، جس پر مستشرقین نے نہایت منظم اور شدید تنقید کی۔ ان کے نزدیک حدیثیں قرآن کے بعد کی اختراعات ہیں، جو سیاسی حالات یا فرقہ وارانہ اختلافات کی پیداوار ہیں۔ انہوں نے اسناد (chain of narration) کے نظام کو بنیادی طور پر ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔

مثلاً گولڈزیہر (Goldziher) اور شاخت (Joseph Schacht) نے حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ:

"The isnad system was a later invention to legitimize fabricated traditions[10]".

"اسناد کا نظام بعد میں ایجاد کیا گیا تاکہ جعلی روایات کو جائز قرار دیا جا سکے۔"

تاہم اسلامی اصولِ حدیث میں اسناد اور متون کی تنقید کا جو مفصل نظام ہے، وہ دنیا کے کسی مذہب یا علم میں موجود نہیں۔ امام ابن الصلاح، امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے حدیث کی پرکھ کے لیے جو معیار قائم کیے، وہ جدید علمی اصولوں سے بھی زیادہ سخت اور منضبط ہیں۔

اسلامی تاریخ کی تعبیر میں مخصوص سیاسی ایجنڈا

مستشرقین نے اسلامی تاریخ، خصوصاً خلافتِ راشدہ، بنو امیہ، اور بنو عباس کے ادوار کا تجزیہ ایک سیاسی مداخلت کے تناظر میں کیا۔ انہوں نے اکثر فتنوں، جنگوں اور اختلافات کو اسلام کے بنیادی نظریات کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کیا۔ ان کے ہاں تاریخ محض طاقت، اقتدار، اور مفادات کی کشمکش بن جاتی ہے، اور روحانی و ایمانی پہلو پسِ پشت چلے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر حسن حنفی لکھتے ہیں:

---

[8] یکن، فتحی، کیف ندعوالناس؟، مکتبہ الرسالہ، بیروت، 1982، ص109۔

[9] غازی، محمود احمد، محاضراتِ استشراق، دارالاشاعت، کراچی، 2010، ص73۔

[10] Schacht, Joseph, The Origins of Muhammadan Jurisprudence, Oxford University Press, 1950, p. 37.

"الاستشراق الغربي يرى التاريخ الإسلامي كأنه صراع سياسي محض، ويغفل عن الأبعاد العقدية والروحية فيه."[11]

"مغربی استشراق اسلامی تاریخ کو محض ایک سیاسی کشمکش سمجھتا ہے اور اس میں موجود عقائدی و روحانی پہلوؤں کو نظر انداز کرتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کی تحریروں میں خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ اور محدثین کو سیاسی مصلحتوں کا کھلا کھلا نمائندہ دکھایا جاتا ہے، جو خالص علمی و دینی تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ مستشرقین کا تحقیقی منہج اگرچہ ظاہری طور پر "علمی" کہلاتا ہے، مگر اس میں جابجا تعصبات، مغربی اصولوں کی برتری، اسلامی اصولوں کی تحقیر، اور سیاسی مفادات کا عمل دخل پایا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے منہجی انحرافات کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ ایک مسلم محقق دفاعی کے بجائے علمی اور مدلل انداز میں ان کا رد کر سکے۔

رسالت و نبوت کے تصور پر مستشرقین کی تنقید

مستشرقین نے اسلامی عقائد و نظریات پر متعدد اعتراضات کیے، جن میں رسالت و نبوت کے تصور پر تنقید کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس، آپ کی سیرت، نبوت کے دعوے، اور آپ کی وحی کی حقیقت کو مستشرقین نے اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے دیکھا اور بعض نے اسے محض انسانی تخیل، سیاسی جدوجہد یا سماجی تحریک قرار دیا۔ ان کا منہجِ تحقیق زیادہ تر تاریخی تنقید، سوشیولوجیکل تفسیر، اور ماڈرن اسکالرسٹک رویوں پر مشتمل تھا، جس کے باعث وہ اسلامی نظریۂ نبوت کی اصل روح کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

ابتدائی مستشرقین کی تنقید

ابتدائی دور کے مستشرقین جیسے ولیم موئر (William Muir)، سر تھامس آرنلڈ (Thomas Arnold)، اور ڈی پی یمار (D.S. Margoliouth) نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو تاریخی تنقید کی بنیاد پر جانچنے کی کوشش کی۔ ولیم موئر نے آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کو سیاسی مقاصد سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ذہین عرب کی اصلاحی تحریک تھی جس میں مذہب کو ایک سماجی انقلاب کا ذریعہ بنایا گیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ وحی دراصل آپ ﷺ کے ذاتی تفکر کا نتیجہ تھی نہ کہ الہامی ہدایت۔ موئر لکھتا ہے:

"was a reformer who used religion to mobilize the tribes of Arabia, but his claim to prophecy was based on visions and subjective experiences[12]".

یہ نظریہ اسلامی وحی کے خالص الہامی اور غیبی منبع کو رد کرتا ہے اور نبوت کو محض شعوری ارتقاء یا تخلیقی ذہن کی پیداوار قرار دیتا ہے۔

قرآن اور وحی پر اعتراضات

بہت سے مستشرقین نے وحی کی ماخذیت پر بھی اعتراض کیا۔ تھیوڈور نولڈکے (Theodor Nöldeke)، جنہوں نے قرآن کی تاریخ پر ایک اہم کتاب Geschichte des Qorāns لکھی، انہوں نے قرآن کو تاریخی اور ادبی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے نزدیک قرآن کئی ادوار میں نازل ہوا اور اس میں مختلف مواقع کے لحاظ سے مواد شامل کیا گیا، لہٰذا یہ کتاب "یکساں الہامی" نہیں بلکہ ایک تدریجی اور انسانی کاوش ہے۔ یہ نظریہ مسلم عقیدے کے اس تصور سے متصادم ہے کہ قرآن ایک مکمل، محفوظ اور الہامی کتاب ہے جو لوح محفوظ سے نازل ہوئی۔

سیرت النبی ﷺ پر اعتراضات

---

[11] حنفی، حسن، التراث والتجدید، دارالتنویر، بیروت، 1980، ص 91۔

[12] William Muir, Life of Mahomet, Smith, Elder & Co., 1861, p. 114

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

مستشرقین نے سیرت النبی ﷺ پر بھی خاص تنقید کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی، غزوات، سیاسی تدابیر، اور کفار کے ساتھ جنگی حکمت عملیوں کو انسانی حرص یا اقتدار کی جدوجہد سے تعبیر کیا۔ مثلاً Montgomery Watt نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کو "necessary for unifying Arabia" قرار دیا، یعنی ان کے نزدیک نبوت ایک سماجی ضرورت اور سیاسی حل تھی۔

> "Muhammad's claim to prophethood was not a fraud, but rather a conviction that his insights were divinely inspired, necessary to lead and unify the Arabs[13]".
>
> اس انداز سے Watt نے اگرچہ کچھ حد تک مثبت انداز اپنایا، لیکن نبوت کو وحی پر مبنی نہیں بلکہ بصیرت یا انسانی ذہن کی تخلیق قرار دیا، جو اسلام کے بنیادی عقیدے کی نفی ہے۔

ردِّ عمل اور اسلامی موقف

مسلمان علماء نے ان اعتراضات کا علمی و تحقیقی انداز میں جواب دیا۔ علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر حمید اللہ، اور مستشرقین کے رد میں لکھنے والے دیگر محققین نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور وحی کی حقیقت کو عقلی، تاریخی اور دینی حوالوں سے ثابت کیا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> "نبوت کے دلائل نہ صرف دینی بلکہ عقلی بھی ہیں، اور سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ ایک ایسے انسان کی تصویر پیش کرتا ہے جو اپنی ذات میں صداقت، دیانت اور قربانی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔"[14]

اسلامی موقف یہ ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت خالصتاً الہامی اور معجزاتی ہے، جسے عقل، تاریخ اور روحانی مشاہدات سے بھی تقویت حاصل ہے۔ مستشرقین کی تنقیدات جہاں ایک طرف علمی دلچسپی کا باعث بنیں، وہیں انہوں نے اسلامی عقائد پر غلط فہمیاں بھی پیدا کیں۔ ان کا تحقیقی منہج زیادہ تر مادی، تاریخی، اور استعماری مفروضات پر مبنی تھا۔ اسلامی علمی حلقوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نہ صرف ان اعتراضات کا جواب دیں بلکہ نبوت و رسالت کے مفہوم کو خالص دینی اور روحانی تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کریں، تاکہ اسلام کی صحیح تصویر واضح ہو سکے۔

قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کی علمی کمزوریاں

مستشرقین نے قرآن مجید پر مختلف علمی اور فکری اعتراضات اٹھائے ہیں جو بظاہر تحقیقی رنگ میں پیش کیے گئے، لیکن ان میں اکثر اعتراضات تعصبات، غلط فہمیوں اور غیر اسلامی ماخذات پر مبنی مفروضات سے بھرپور ہیں۔ ان اعتراضات میں وحی کی حقیقت، قرآن کی ترتیب، اسلوبِ بیان، اور سائنسی نکات پر مختلف الزامات شامل ہیں۔ ان اعتراضات کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی بنیاد اکثر غیر معتبر ذرائع، پیشگی مفروضات یا ناقص فہم پر ہے۔

وحی کے ماخذ پر اعتراضات

مستشرقین کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی اختراعی تخلیق ہے، جسے انہوں نے سابقہ مذاہب، خاص طور پر یہودیت و عیسائیت سے اخذ کیا۔ ولیم میور (William Muir) اور تھیوڈور نولدیکے (Theodor Nöldeke) جیسے مستشرقین نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں پائی جانے والی سابقہ کتب کی مماثلت اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اصل وحی نہیں بلکہ تاریخی اثرات کا نتیجہ ہے۔ تاہم یہ اعتراض قرآن کے دعوائے وحی اور اس کے داخلی و خارجی شواہد کے مقابل بالکل بے بنیاد ہے۔ قرآن خود دعویٰ کرتا ہے:

> "قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ"[15]

قرآن کا اسلوب، فکر اور معنوی عمق دیگر مذاہب کی کتب سے یکسر مختلف ہے۔ مستشرقین اس فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے محض مماثلت کو اقتباس کا نام دیتے ہیں، جب کہ علمِ ادیان کے اصولوں کے مطابق کچھ مشابہت کسی ماخذ ہونے کی دلیل نہیں بنتی۔

---

[13] W. Montgomery Watt, Muhammad at Mecca, Oxford University Press, 1953, p. 229

[14] شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، مجلسِ ترقی ادب، 2005، جلد 1، ص 25

[15] سورہ النحل: 102

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ترتیب قرآن پر اعتراضات

مستشرقین کا دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کی ترتیب غیر منطقی اور بے ربط ہے۔ گولڈزیہر (Goldziher) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) نے کہا کہ قرآن کی آیات اور سورتیں تاریخی ترتیب سے ہٹ کر موجود ہیں، اس لیے یہ کتاب کسی عقلی یا موضوعاتی ترتیب پر مبنی نہیں۔

لیکن اس اعتراض کے جواب میں معاصر مسلم محققین اور مفسرین نے واضح کیا ہے کہ قرآن کی ترتیب نہ صرف توقیفی ہے بلکہ اس میں ایک نہایت باریک اور حکیمانہ ربط موجود ہے، جسے جدید اسکالرز جیسے ڈاکٹر فضل الرحمن، امین احسن اصلاحی اور مولانا حمید الدین فراہی نے اجاگر کیا ہے۔ سورہ کے اندر آیات کا ربط، مضامین کی تقسیم، اور سورتوں کا جوڑ قرآن کے فطری نظم پر گواہ ہے۔

اسلوبِ قرآن پر اعتراضات

کئی مستشرقین، جیسے کہ نولدیکے اور آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)، نے کہا کہ قرآن کا اسلوب مبہم، غیر مربوط اور کسی اعلیٰ ادبی معیار پر پورا نہیں اترتا۔ وہ قرآن کو ایک "شاعرانہ" یا "خطیبانہ" بیانیہ کہتے ہیں، جس میں سچائی سے زیادہ تاثرات کو اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قرآن کا اسلوب بلیغ، جامع اور دل پر اثر انداز ہونے والا ہے۔ عربی زبان کے کلاسیکی ماہرین اور خود عرب شعراء قرآن کے اسلوب کے معترف رہے ہیں۔ قرآن نے خود عربوں کو چیلنج دیا:

"فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ"[16]

اس چیلنج کو آج تک کوئی قبول نہ کر سکا، جو اس کی ادبی برتری کا ثبوت ہے۔

سائنسی اعتراضات

جدید مستشرقین نے قرآن پر سائنسی اعتراضات بھی کیے ہیں، مثلاً ارتقاء، کائنات کی تخلیق، جنّات اور آسمانی واقعات جیسے موضوعات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ رچرڈ ڈاکنز جیسے ملحدین نے وحی کو سائنسی بنیادوں پر رد کرنے کی کوشش کی۔ قرآن کوئی سائنس کی کتاب نہیں بلکہ ہدایت کی کتاب ہے، اور جب اس میں سائنسی اشارات آتے ہیں تو وہ انسانی فہم کے مطابق عمومی اور حقیقت سے قریب تر انداز میں بیان ہوتے ہیں۔ معاصر مسلم سائنسدان جیسے ڈاکٹر ذاکر نائیک، ڈاکٹر محمد عبد السلام اور ڈاکٹر مصطفیٰ محمود نے قرآن کے سائنسی اشارات کو جدید سائنس کے ساتھ ہم آہنگ ثابت کیا ہے۔

علمی کمزوریاں اور تنقیدی جائزہ

مستشرقین کے اعتراضات کی عمومی کمزوریاں درج ذیل ہیں:

1. تاریخی سیاق و سباق سے صرفِ نظر: اکثر اعتراضات بغیر کسی تاریخی، دینی یا ثقافتی پس منظر کو سمجھے پیش کیے گئے۔
2. تحقیقی غیر جانبداری کا فقدان: بیشتر مستشرقین مخصوص مذہبی یا استعماری مقاصد کے تحت قرآن پر تنقید کرتے رہے۔
3. اسلامی مصادر سے لاعلمی: مستشرقین نے اکثر اسلامی روایت، تفسیر، اصولِ حدیث اور فقہ کو نظر انداز کیا، جس کی وجہ سے ان کے نتائج ناقص اور بے بنیاد ہیں۔

قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات نہ صرف علمی لحاظ سے کمزور ہیں بلکہ اکثر ان کا مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت کو مشکوک بنانا تھا۔ ان اعتراضات کا علمی جائزہ یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن اپنی وحی، ترتیب، اسلوب اور سچائی کے اعتبار سے ایک لاجواب الہامی کتاب ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی کتاب نہیں آ سکی۔

اسلامی فقہ، شریعت اور قوانین پر استشراقی تنقید

اسلامی شریعت پر مستشرقین کی تنقید محض علمی یا اجتہادی نوعیت کی نہیں بلکہ عموماً مغربی اقدار، تہذیبی ترجیحات، اور سامراجی مفادات کی عینک سے کی جاتی ہے۔ فقہی احکام جیسے حدود، پردہ، عورت کے حقوق، جہاد، غلامی اور تعددِ ازواج پر ان کے اعتراضات اکثر یا تو سیاق و سباق سے ہٹے ہوتے ہیں یا اسلامی اصولوں کی غلط تعبیر پر مبنی ہوتے ہیں۔

---

[16] البقرہ:23

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حدود اور تعزیرات پر تنقید

مستشرقین نے اسلامی حدود جیسے زنا، چوری، اور ارتداد کی سزاؤں پر شدید تنقید کی۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ سزائیں انسانی حقوق، جدید عدالتی نظام اور آزادیِ ضمیر کے منافی ہیں۔ ایچ اے آر گیب (H.A.R. Gibb) اور جوزف شاخت (Joseph Schacht) جیسے مستشرقین اسلامی قانون کو جامد، ظالمانہ اور قدامت پرست قرار دیتے ہیں۔ اسلامی حدود میں سزا دینے سے پہلے ناقابل تردید شہادت یا اعتراف ضروری ہے، اور فقہا نے ان شرائط کو اتنا سخت بنایا ہے کہ عملاً حد کا نفاذ تبھی ممکن ہوتا ہے جب کوئی شخص خود سزا چاہے۔ مثلاً زنا کی سزا کے لیے چار مرد عینی گواہوں کی شرط قرآن (النور: 4) میں بیان کی گئی ہے، جو انصاف اور معاشرتی پاکیزگی کو یقینی بناتی ہے۔

پردہ اور عورت کی حیثیت

مستشرقین جیسے مارگریٹ مارکس (Margaret Marcus) اور لیلا احمد (Leila Ahmed) نے اسلامی پردے کو خواتین کی آزادی کے خلاف قرار دیا اور اسلامی معاشرے کو پدرشاہی (Patriarchal) قرار دیا۔ اسلام میں پردہ عورت کو غلام بنانے کا طریقہ نہیں بلکہ اس کی عزت، تحفظ اور معاشرتی وقار کی علامت ہے۔ قرآن میں عورتوں کو زینت چھپانے اور مردوں کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دونوں کو دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور دیگر صحابیاتؓ کی علمی و تجارتی سرگرمیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام عورت کو معاشرتی و علمی طور پر محدود نہیں کرتا۔

جہاد کے تصور پر اعتراضات

مستشرقین نے جہاد کو اکثر دہشت گردی، جارحیت یا فتوحات کے لیے استعمال ہونے والا حربہ قرار دیا ہے۔ برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) اور دیگر نے اسلامی تاریخ کے عسکری پہلوؤں کو نمایاں کر کے اسلام کو ایک جنگجو مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ قرآن میں جہاد صرف دفاعی نوعیت کا ہے: "اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جو جنگ کیے جاتے ہیں، کیونکہ وہ مظلوم ہیں"[17]۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا بیشتر حصہ صلح، معاہدات اور دعوت پر مبنی تھا۔ جنگیں ناگزیر دفاعی اقدامات تھیں، نہ کہ استعماری یلغار۔

غلامی اور اسلام

مستشرقین نے یہ اعتراض کیا کہ اسلام نے غلامی کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کو تسلیم کر کے جواز فراہم کیا۔ اسلام نے غلامی کو فوری طور پر ختم کرنے کی بجائے تدریجی طور پر مٹانے کی کوشش کی، کیونکہ اس وقت یہ ادارہ معاشرتی و اقتصادی ڈھانچے میں گہرا رچا ہوا تھا۔ غلاموں کی آزادی کو نیکی، کفارہ اور صدقہ قرار دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی غلام کو آزاد کیا، اللہ قیامت کے دن اس کے ہر عضو کے بدلے ایک عضو کو آگ سے بچائے گا"۔[18]

5. تعددِ ازدواج پر تنقید

اسلام میں مرد کو چار شادیوں کی اجازت پر اعتراض کرتے ہوئے مستشرقین نے اسے عورت کے استحصال اور عدم مساوات کی علامت قرار دیا۔ اسلام میں تعددِ ازواج نہ صرف مشروط ہے بلکہ عدل کی سخت شرط کے ساتھ ہے: "اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو"[19]۔ یہ حکم ان معاشروں کے لیے تھا جہاں جنگوں، طلاقوں یا بیوگی کی بنا پر عورتیں سماجی تحفظ سے محروم تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے خود اپنے نکاحوں کے ذریعے کئی بیواؤں کو عزت دی اور ان کی سرپرستی کی۔ مستشرقین کی اسلامی فقہ پر تنقید کا محور اکثر مغربی نظریات پر مبنی ہوتا ہے، جو اسلامی تہذیب اور اخلاقی اصولوں سے نہ صرف مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد ہوتے ہیں۔ اسلامی فقہ ایک مکمل اور ہمہ گیر نظامِ قانون ہے جو اخلاقیات، عدل، انسانی dignity اور سماجی توازن کو بنیادی اصول بناتا ہے۔ اس پر تنقید کرنے سے پہلے اس کے اصولی مبانی، تاریخی سیاق، اور اصل مصادر کو گہرائی سے سمجھنا ضروری ہے — جو مستشرقین کی اکثریت نے نہیں کیا۔

---

[17] الحج: 39

[18] بخاری، کتاب العتق

[19] النساء: 3

مرتدین اسلام: تاریخی اور عصری جائزہ

(عبداللہ ابن سبا

ارتداد ایک ایسا مسئلہ ہے جو ابتدا سے ہی اسلامی تاریخ میں نہ صرف فکری بلکہ سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے بھی شدید نزاع کا باعث رہا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ارتداد (یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد کسی مسلمان کا جان بوجھ کر اسلام چھوڑ دینا) نہایت سنگین جرم ہے، جس کے فکری، اعتقادی اور قانونی پہلوؤں پر فقہا اور علمائے اسلام نے صدیوں غور و خوض کیا ہے۔ مرتدین کی تاریخ محض انفرادی فکری انحراف کی کہانی نہیں، بلکہ بعض اوقات یہ اجتماعی فتنہ و فساد، سیاسی سازشوں اور تہذیبی محاذ آرائی کا بھی آئینہ دار ہے۔

عبداللہ ابن سبا: ارتداد کی فتنہ انگیز بنیاد

عبداللہ ابن سبا اسلامی تاریخ کی وہ متنازع شخصیت ہے جسے متعدد مسلم مؤرخین نے فتنہ ارتداد و بدعت کا بانی اور شیعی غلو کا موجد قرار دیا ہے۔ ابن سبا کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک یہودی تھا جس نے اسلام قبول کیا، لیکن جلد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ گھڑ کر ان کے ماننے والوں کو ایک الگ فکری دھارے میں ڈال دیا۔ علامہ طبری اور ابن کثیر کے مطابق، ابن سبا کی سرگرمیاں دراصل فتنہ و فساد اور خلافتِ راشدہ کے خلاف سازش تھیں، جن کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی اور دینی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا تھا۔

سلمان رشدی: فکری انکار اور ادبی گستاخی

سلمان رشدی کا شمار جدید دور کے ان مرتدین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی تحریروں میں نہ صرف اسلام بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں بھی گستاخانہ رویہ اختیار کیا۔ اس کی کتاب The Satanic Verses (شیطانی آیات) میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو تحریف و استہزا کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس نے پوری اسلامی دنیا میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ فقہی اور علمی اعتبار سے سلمان رشدی کی تحریریں صرف فکری اختلاف نہیں بلکہ دانستہ گستاخی اور اسلامی عقائد کے انکار کے مترادف ہیں، جو ارتداد کی جدید شکل ہے۔ امام شاطبیؒ نے ایسے افعال کو "الاعلان بالکفر بعد الایمان" (ایمان کے بعد کھلے کفر کا اعلان) قرار دیا ہے۔[20]

ایاز نظامی: دہریت، انکار نبوت اور شعائرِ اسلام کی توہین

ایاز نظامی پاکستان سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا مرتد ہے جس نے سوشل میڈیا اور بلاگز کے ذریعے منظم انداز میں اسلام اور دینی شعائر کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ اس نے "ریزن پاکستان" اور دیگر الحادی پلیٹ فارمز کے ذریعے نوجوان نسل کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ ایاز کا مسئلہ صرف انکارِ مذہب نہیں بلکہ دانستہ توہین، فتنہ انگیزی اور اسلامی تعلیمات کی تضحیک تھی، جو فقہ حنفی و مالکی دونوں کے نزدیک ارتدادِ مغلظ میں آتا ہے۔ پاکستان میں اس کی گرفتاری اور مقدمہ اسی قانونی و شرعی اصول کی روشنی میں ہوا۔[21]

وفا سلطان: سائیکاٹری کی زبان میں دینی مخالفت

وفا سلطان شام کی ایک سابق مسلمان خاتون ہے جو امریکہ میں قیام پذیر ہے اور اسلام پر سخت تنقید کرتی ہے۔ اس نے "عربوں کی ذہنی غلامی" اور "اسلام کی وحشیانہ فطرت" جیسے بیانات دیے۔ اس کا طرزِ نقد عام تنقید سے ہٹ کر تہذیبی تصادم (Clash of Civilizations) کے بیانیے سے جڑا ہوا ہے، جسے مغربی تھنک ٹینکس اور میڈیا نے نمایاں کیا۔ اس کے بیانات مسلمانوں کی "نفسیاتی بحالی" کے دعوے پر مبنی ہوتے ہیں، جو دراصل اسلام سے بے دخلی کی فکری توجیہ ہے۔

شاکر نایک: الجھن یا ارتداد

شاکر نایک کا نام یہاں ذرا مختلف نوعیت کا ہے۔ بعض غلط فہمیوں اور جعلی خبروں کی بنیاد پر شاکر نایک پر ارتداد کا الزام لگایا گیا، تاہم اب تک ان کے کسی بھی بیان سے واضح ارتداد یا انکارِ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس وہ کئی مذاہب کے مابین مکالمے، اسلام کی دعوت اور سائنسی اسلوب میں دینی تشریحات کے داعی ہیں۔ ایسے الزامات علمی سطح پر بے بنیاد اور تہذیبی دشمنی کا نتیجہ ہیں، جس کا مقصد مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو ہوا دینا ہے۔ اسلام میں ارتداد محض انفرادی عقیدہ نہیں بلکہ ایک ہمہ

---

20 الشاطبی، ابو اسحاق، الاعتصام، دار المعارف، 2005ء، جلد 2، صفحہ 218۔

21 مفتی تقی عثمانی، اسلام اور ارتداد کا مسئلہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 2015ء، صفحہ 67۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جہتی خطرہ ہے، جو فکری، تہذیبی، سیاسی اور معاشرتی محاذ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ عبد اللہ ابن سبا جیسے افراد ارتداد کو سیاسی سازش کا ہتھیار بناتے ہیں، جبکہ سلمان رشدی اور ایاز نظامی جیسے افراد اسے تہذیبی انکار اور توہینِ رسالت کی شکل دیتے ہیں۔ وفا سلطان مغربی تناظر میں اسلامی عقائد کو نفسیاتی بیماریوں کا سبب قرار دیتی ہے، جبکہ بعض الزامات (جیسے شاکر نایک پر) ارتداد کے غلط اطلاق کی مثال بن جاتے ہیں۔

مرتدین اسلام کے افکار واعتراضات: جدید بیانیے کی تشکیل

(مذہبی آزادی، فکری اجتہاد، سیکولر تعبیرات)

اسلامی تاریخ میں ارتداد محض ایک فرد کے ذاتی عقیدے کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک وسیع تر سیاسی، فکری اور تمدنی رجحان کا مظہر رہا ہے۔ دورِ جدید میں جب استشراقی اور سیکولر فکر کے اثرات عالمِ اسلام میں پھیلنے لگے، تو بعض افراد نے اسلام کو صرف مذہبی اصولوں کے بجائے سیاسی اور تہذیبی نظام کے طور پر چیلنج کرنا شروع کیا۔ اس رجحان میں مذہبی آزادی، فکری اجتہاد اور سیکولر تعبیرات کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ دینِ اسلام کی مکمل اطلاقی حیثیت کو محدود کیا جا سکے۔

مذہبی آزادی اور ارتداد

دورِ جدید کے مرتدین جیسے وفا سلطان، شاکر نایک اور دیگر، ارتداد کو مذہبی آزادی کا مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر ایک شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب یا نظریے کو اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی ذاتی آزادی اور ضمیر کا حق ہے، جسے کسی مذہب یا ریاست کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مؤقف مغربی تصورِ آزادیِ ضمیر (Freedom of Conscience) پر مبنی ہے، جسے مغربی سیاسی فکر نے انسانی حقوق کے دائرے میں شامل کیا۔ اسلامی اصولوں میں ارتداد صرف انفرادی عقیدے کی تبدیلی نہیں بلکہ اجتماعی نظمِ امت، شریعت اور سماجی و سیاسی نظم کے خلاف علمی، تہذیبی اور بعض اوقات عسکری بغاوت کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مرتدین کی سزا کو بیان کیا گیا ہے، مثلاً:

"وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ"[22]

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ارتداد کا انجام صرف اخروی محرومی نہیں بلکہ دنیوی فساد و سزا بھی ہے، کیونکہ ارتداد محض ایک ذاتی معاملہ نہیں بلکہ ملت کی وحدت کو نقصان دینے والا جرم ہے۔"[23]

فکری اجتہاد اور ارتداد

بعض جدید مفکرین نے ارتداد کو فکری اجتہاد یا تنقیدی عقلیت کا ایک مرحلہ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق جب انسان مذہب کی روایتی تشکیل سے آگے بڑھ کر عقل، تجربہ اور سائنسی شعور کی روشنی میں ایمان کو پرکھتا ہے تو اس میں ایمان کی تجدید یا ترکِ ایمان دونوں ممکن ہوتے ہیں۔ یہ مؤقف خصوصاً ایاز نظامی جیسے افراد میں نمایاں نظر آتا ہے، جو مذہب کو صرف جذباتی یا روایت پر مبنی سمجھتے ہیں اور "عقل پرستی" کو معیارِ صداقت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسلامی فکر میں اجتہاد ایک منضبط، اصولی اور دینی دائرے میں ہوتا ہے، جو کتاب و سنت، اجماع اور قیاس جیسے اصولوں سے مشروط ہے۔ اجتہاد کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد کو جھٹلانا یا ختم کرنا، فکری آزادی نہیں بلکہ فکری انحراف ہے۔ جیسا کہ علامہ محمد اقبال نے کہا:

"اجتہاد، جہاں ایک دینی فریضہ ہے، وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی اساس قرآن و سنت پر ہو، نہ کہ مغربی فلسفے یا سائنسی دہریت پر۔"[24]

---

[22] البقرہ:217

[23] عثمانی، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، 2002، ص 123

[24] اقبال، تجدیدِ فکریاتِ اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2010، ص 62

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سیکولر تعبیرات اور مرتدین کا بیانیہ

ارتداد کا جدید بیانیہ اکثر سیکولر تعبیرات پر مبنی ہوتا ہے، جس میں مذہب کو صرف ایک شخصی یا روحانی تجربہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس فکر میں دین کا ریاست، قانون، معیشت، عدل یا تمدن سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے افکار وفا سلطان، سلمان رشدی اور دیگر مرتدین کے بیانات میں واضح نظر آتے ہیں، جو اسلام کو ایک محدود، تاریخی اور ثقافتی مظہر قرار دیتے ہیں، اور وحی، شریعت، اور نبوت کے تصورات کو ماورائی یا قدامت پسند سمجھتے ہیں۔

یہ بیانیہ اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کے تصور سے متصادم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي"[25]

اس آیت کی روشنی میں دین محض شخصی عقیدہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے، جس سے الگ کوئی تعبیر قابل قبول نہیں۔

دورِ جدید میں مرتدین کا بیانیہ تین بڑے دعووں پر مبنی ہے:

1. مذہبی آزادی کی آڑ میں دین سے انکار
2. فکری اجتہاد کے نام پر بنیادی عقائد کی نفی
3. سیکولر تعبیرات کے ذریعے اسلام کو غیر عملی اور تاریخی دین ثابت کرنا
4. یہ بیانیہ نہ صرف علمی لحاظ سے کمزور ہے بلکہ اس کی جڑیں مغربی استشراقی فکر، نوآبادیاتی سیاسی مفادات، اور تہذیبی استحصال میں پیوستہ ہیں۔ اسلامی عقائد کی بنیاد وحی، عقل سلیم اور انسانی فطرت پر ہے، جو ان سستے اور خود ساختہ دعووں کا سنجیدہ اور مدلل جواب مہیا کرتی ہے۔

(باہمی فکری اشتراک، ذرائع، اغراض)

مستشرقین (Orientalists) اور جدید مرتدین (Apostates) کے فکری رجحانات، علمی اسالیب، اور نظریاتی مقاصد میں حیرت انگیز حد تک گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ دونوں کا پس منظر مختلف ہو سکتا ہے——ایک علمی و تحقیقی جامعاتی ماحول کا پروردہ اور دوسرا کسی مسلم معاشرے کا منحرف فرد——مگر ان کی فکری ساخت، اسلام پر تنقید کے طریقے، اور نتائج کے دائرے اکثر ایک دوسرے سے متصل اور مربوط نظر آتے ہیں۔ یہ اشتراک تین بنیادی پہلوؤں سے نمایاں ہوتا ہے: مقاصد، اسلوب، اور نتائج۔

اسلام کو سیاسی و تہذیبی قوت سے محروم کرنا:

مستشرقین کی بڑی کوشش یہ رہی کہ اسلام کو ایک جامع نظام حیات کے طور پر تسلیم کرنے کے بجائے اسے صرف ایک مقامی، تاریخی یا ثقافتی مظہر کے طور پر پیش کیا جائے۔ ان کے ہاں اسلامی شریعت، خلافت، جہاد، اور وحدتِ امت جیسے تصورات کو تنقید کا نشانہ بنانے کا مقصد اسلام کی اجتماعی و سیاسی قوت کو مفلوج کرنا رہا۔ یہی رویہ جدید مرتدین کے ہاں بھی پایا جاتا ہے، جو اکثر اسلامی عقائد کو "مذہبی فسطائیت"، "تاریخی جبر"، یا "ذہنی غلامی" کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

اسلامی تشخص کا انہدام

مستشرقین اسلامی ثقافت، عقائد اور تاریخ کو شک و شبہ کے دائرے میں لا کر مسلمانوں کو فکری دفاع کی پوزیشن میں لانا چاہتے تھے۔ یہی انداز مرتدین میں بھی نمایاں ہے، جو اسلامی احکام کو قرونِ وسطیٰ کی پیداوار قرار دے کر عصر حاضر کے تقاضوں سے متصادم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

منقطع تناظر (Context-stripping):

مستشرقین نے اکثر اسلامی متون کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا، جس سے غلط فہمی اور تحریف کا دروازہ کھلتا ہے۔ مثال کے طور پر، جہاد کو محض جارحیت، حدود کو ظلم، اور پردے کو صنفی امتیاز کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہی اسلوب مرتدین بھی اختیار کرتے ہیں، جو قرآن و حدیث کے اقتباسات کو عوامی جذبات کو بھڑکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

---

[25] المائدہ:3

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سائنس و فلسفہ کا غلط اطلاق:

مستشرقین نے اسلامی عقائد کو جدید سائنسی معیارات یا مغربی فلسفے کے پیمانوں سے جانچنے کی کوشش کی۔ اسی طرح مرتدین "سائنس" اور "عقلیت" کے نام پر وحی، معجزات اور غیبیات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، گویا ایمان کا تصور صرف تجربے اور حسی علم پر موقوف ہو۔

ذاتی تجربات کو عمومی حقیقت بنانا:

مرتدین میں عمومی رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی یا جذباتی تجربات کو اسلام کے خلاف عمومی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، جیسا کہ وفا سلطان یا ایاز نظامی کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی اسلوب کئی مستشرقین میں بھی پایا گیا، جنہوں نے اپنی مخصوص استشراقی عینک سے اسلامی دنیا کا مشاہدہ کر کے اسے عالمی سچائی کے طور پر بیان کیا۔

اسلاموفوبیا کی ترویج:

مستشرقین کی تحریریں اکثر مغربی پالیسی سازوں کے نظریات کا جزو بنیں، جس سے اسلاموفوبیا کو تقویت ملی۔ مرتدین کی تحریریں بھی عالمی سطح پر انہی بیانیوں کا حصہ بن کر مسلم دنیا کے خلاف تعصب کو بڑھاتی ہیں، جیسا کہ سلمان رشدی کے ناول The Satanic Verses یا وفا سلطان کی تقاریر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مسلم نوجوانوں میں تشکیک:

دونوں گروہوں کی تحریروں اور بیانات کا سب سے بڑا اثر مسلم نوجوانوں پر پڑتا ہے، جو فکری اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔ خاص طور پر جب یہ اعتراضات علمی یا فلسفیانہ زبان میں پیش کیے جاتے ہیں تو غیر تربیت یافتہ اذہان میں تشکیک کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔

اسلامی علم و ثقافت پر دباؤ:

یہ فکری یلغار اسلامی اداروں، مدارس اور جامعات پر دباؤ بڑھاتی ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کو مغربی معیارات پر استوار کریں، اور خود احتسابی کے نام پر بنیادی عقائد میں بھی تاویلات یا ترمیم کی راہیں تلاش کریں۔

مستشرقین اور مرتدین، اگرچہ بظاہر مختلف طبقات اور پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان کے فکری، تنقیدی، اور نظریاتی اسالیب میں جو گہری مماثلت پائی جاتی ہے، وہ اسلامی فکر کے لیے ایک اہم چیلنج ہے۔ ان کے اشتراکات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ علمی و فکری میدان میں نہ صرف مضبوط عقلی دفاع پیش کیا جائے، بلکہ اسلام کی سچائی اور جامعیت کو عصری زبان و منطق میں دلائل کے ساتھ پیش کیا جائے۔

اسلامی مفکرین کی علمی تنقید

اسلامی مفکرین نے مستشرقین اور مرتدین کے افکار و اعتراضات کا نہایت سنجیدہ، علمی، اور منہجی انداز میں تجزیہ کیا ہے۔ ان مفکرین نے تنقید برائے اصلاح کا رویہ اختیار کرتے ہوئے نہ صرف اسلامی تعلیمات کا دفاع کیا بلکہ ان اعتراضات کے پس پردہ فکری مغالطوں کو بھی مدلل انداز میں آشکار کیا۔ ذیل میں چند ممتاز مفکرین کی علمی خدمات کا جائزہ لیا جا رہا ہے:

1. علامہ شبلی نعمانی (1857–1914)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے عہد کے استشراقی اعتراضات کو نہایت متوازن علمی انداز میں رد کیا۔ ان کی تصنیف سیرۃ النعمان اور سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستشرقین کے تاریخی و دینی اعتراضات کا مفصل جائزہ موجود ہے۔ شبلی کا انداز تدریجی اور تہذیبی ہے؛ وہ صرف رد نہیں کرتے بلکہ اسلامی افکار کو مثبت پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر مسلمان محض جمود میں مبتلا رہیں گے تو مغربی اعتراضات کا علمی اور تہذیبی جواب ممکن نہ ہوگا۔"[26]

[26] شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، مکتبہ شبلی، اعظم گڑھ، 1903، ص 212

2.سید قطب(1906–1966)

سید قطب نے اپنی مشہور کتاب معالم فی الطریق میں مغرب کی فکری یلغار اور سیکولرزم کے غلبے کو چیلنج کیا۔ انہوں نے مغرب زدہ مسلم مفکرین اور مرتد افکار کو "جہالت کے نظام" (جاھلیۃ العصر) سے تعبیر کیا اور اسلامی معاشرے کی تشکیل نو کا ایک جامع تصور پیش کیا۔ سید قطب کا طرزِ استدلال فلسفیانہ اور فکری ہے، وہ قرآن مجید کو محور بنا کر جدید سوالات کا جواب دیتے ہیں:

"آج کا مغرب، تہذیب کے لبادے میں وہی پرانی جاہلیت ہے جو انسان کو اللہ کے بجائے انسانوں کا غلام بناتی ہے۔"[27]

3.ڈاکٹر محمد حمید اللہ(1908–2002)

ڈاکٹر حمید اللہ نے مغربی تحقیقی معیار پر اسلامی علوم کی تدوین و تحقیق کو اپنا مشن بنایا۔ ان کی خدمات خصوصاً حدیث، قانون، اور بین الاقوامی تعلقات میں بے مثال ہیں۔ ان کی کتاب The Muslim Conduct of State میں اسلامی سیاسی فکر کا مغربی اعتراضات کے مقابلے میں واضح علمی دفاع موجود ہے۔ ان کا انداز محققانہ اور غیر جذباتی ہے۔

"اسلامی قوانین کو مغرب نے قرونِ وسطیٰ کے قوانین کہہ کر نظرانداز کیا، مگر سچ یہ ہے کہ اسلامی قانون نے ہی جدید بین الاقوامی ضابطوں کی بنیاد رکھی۔"[28]

4.ڈاکٹر فتحی یکن(1933–2009)

لبنانی مفکر ڈاکٹر فتحی یکن نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب کذلک کنّا اور ماذا یعنی انتمائی للاسلام؟ میں جدید فکری چیلنجز پر اسلامی موقف کو مدلل اور دعوتی انداز میں پیش کیا۔ وہ مستشرقین اور ان کے پیروکاروں کو محض تنقید کا نشانہ بنانے کی بجائے دعوت، استدلال، اور سماجی فہم کی بنیاد پر جواب دیتے ہیں۔ ان کی کتابیں عرب دنیا میں دعوتی تحریکوں کا فکری سرمایہ بن چکی ہیں۔

"اسلام کا پیغام عقل و فطرت کا ترجمان ہے، اور یہ ہر دور میں فکری مغالطوں کو اپنے نور سے دور کرتا رہا ہے۔"[29]

ان مفکرین نے ایک طرف مستشرقین اور مرتدین کے اعتراضات کا منطقی، سائنسی اور عقلی جواب دیا، اور دوسری طرف اسلامی فکر کو ایک مثبت، فعال اور دعوتی بیانیے میں ڈھالا۔ ان کا انداز نہ صرف علمی تھا بلکہ امت مسلمہ کے لیے فکری بیداری کا ذریعہ بھی بنا۔ ان کی تحریریں آج بھی اسلام اور مغربی فکر و تہذیب کے باہمی مکالمے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

جدید اسلامی استدلال اور استشراقی وارتدادی افکار کا علمی محاکمہ

اسلامی تہذیب، تاریخ اور عقائد کو چیلنج کرنے والی فکری تحریکات میں استشراقی اور ارتدادی افکار خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان دونوں فکری مکاتب کا بنیادی مقصد اسلام کی اساسات، عقائد اور اس کے مقدس مصادر (قرآن وسنت) کو سوالات کی زد میں لانا اور ان کی تعبیرات کو مغربی فکری سانچوں میں ڈھالنا ہے۔ اس تناظر میں جدید اسلامی استدلال ان افکار کا نہ صرف دفاعی بلکہ تنقیدی انداز میں محاکمہ کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ علمی، منطقی اور منہجی بنیادوں پر اسلام کے اصل بیانیے کو مضبوطی سے پیش کرتا ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں فکری محاکمہ

قرآن مجید میں ایسے افراد کی علامات اور ان کے افکار کے بارے میں واضح طور پر رہنمائی موجود ہے جو دینی اساسات کو مشتبہ بنانا چاہتے ہیں:

---

[27] سید قطب، معالم فی الطریق، دار الشروق، قاہرہ، 1964، ص45

[28] The Muslim Conduct of State, Lahore: Islamic Book Trust, 1941, p. 14

[29] فتحی یکن، ماذا یعنی انتمائی للاسلام؟، دار المعرفہ، بیروت، 1981، ص59

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا، وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ"[30]

"اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے، تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے، اور جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں، تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق کرتے ہیں۔"

یہ آیت ان افراد کی ذہنیت اور منافقانہ فکری رویے کی علامت ہے جن کے ہاں دین صرف ایک موضوعِ بحث، تنقید یا تخریب کا میدان ہوتا ہے، اور وہ اس کے سچے معتقد نہیں ہوتے۔

ارتدادی مفکرین اور مستشرقین اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں اظہارِ رائے کی آزادی نہیں، یا یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ جدید اسلامی مفکرین ان دعوؤں کو تاریخی، اصولی اور عقلی بنیادوں پر رد کرتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمن نے اجتہاد کی عصری معنویت کو سلفی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

"اجتہاد کا مقصد دین کی روح کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنا ہے، نہ کہ شریعت کی جڑ کاٹنا"[31]

جدید تحقیق سے استدلال کی معاونت

عصر حاضر میں اسلامی فلسفہ، سماجیات، اور تاریخ کے میدان میں جدید تحقیقی طریقوں نے ان فکری حملات کا سامنا بہتر طور پر ممکن بنا دیا ہے۔ مثلاً اسلامی علوم میں تاریخی-تنقیدی طریقہ استعمال کرنے والے مستشرقین (جیسے جولڈزیہر، شاخت، کرون) نے حدیث و سنت کو غیر معتبر ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی نے اپنی کتاب Studies in Early Hadith Literature میں نہ صرف ان نظریات کو رد کیا بلکہ اسناد، رجال، اور تدوین حدیث کے تمام مراحل کا مستند تجزیہ کر کے سنت کی تاریخی حیثیت کو ثابت کر دیا۔ اسی طرح ارتدادی افکار کے خلاف سید قطب کا قرآنی بیانیہ، جس میں وہ اسلامی عقیدے کو ایک مربوط نظام فکر کے طور پر پیش کرتے ہیں، ان فکری حملوں کا ایک مضبوط جواب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلام نہ صرف عبادات بلکہ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کے لیے کامل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ اسے محض روحانی تجربہ یا عباداتی نظام سمجھتے ہیں، وہ حقیقت سے منہ موڑتے ہیں"[32]

استدلال کا منہجی انداز

جدید اسلامی اسکالرز نے استشراقی وارتدادی افکار کا منہجی انداز میں بھی جائزہ لیا ہے۔ یہ منہج تین مراحل پر مشتمل ہوتا ہے:

1. فکری مصدر کی پہچان: ارتدادی یا استشراقی اعتراضات کس فکری دھارے سے متاثر ہیں (مثلاً نیچریت، مادیت، یا تجدد پرستی)۔
2. نقد و تحلیل: اعتراض کی علمی کمزوریاں، منطقی تضادات اور تاریخی بے بنیادیاں واضح کرنا۔
3. متبادل بیانیہ کی تشکیل: اسلامی اصولوں پر مبنی جامع، متوازن اور مثبت بیانیے کی تشکیل جو دین کی اصل روح کو عصر حاضر کی زبان میں بیان کرے۔

ارتدادی اور استشراقی افکار کے خلاف جدید اسلامی استدلال ایک منہجی، تحقیقی اور استقرائی عمل ہے جو نہ صرف ان اعتراضات کو علمی بنیادوں پر رد کرتا ہے بلکہ دین اسلام کی معنویت اور ہمہ گیریت کو از سرِ نو مستحکم کرتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی، فقہی ذخیرہ، تاریخی تحقیق، اور فلسفیانہ استدلال، سب مل کر اسلام کے دفاع اور فروغ میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

---

[30] البقرہ:14

[31] فضل الرحمن، Islam and Modernity, یونیورسٹی آف شکاگو، 1982، ص147

[32] سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، قاہرہ، جلد1، ص31

مغربی جامعات اور میڈیا میں استشراقی و مرتدانہ اثرات

استشراقی اور ارتدادی افکار کی سب سے مؤثر اور دیرپا رسائی جن ذرائع سے ممکن ہوئی، ان میں مغربی جامعات، بین الاقوامی میڈیا اور جدید سوشل نیٹ ورکس بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ استشراق محض علمی دلچسپی کا نام نہیں رہا، بلکہ اس نے علمی و فکری نوآبادیات کی صورت اختیار کر لی ہے، جس میں اسلامی اقدار، شخصیات اور اصولوں کو ایک مخصوص مغربی عینک سے دیکھا جاتا ہے، اور یہی زاویہ نظر مغربی نصابِ تعلیم، ذرائع ابلاغ اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز میں سرایت کر چکا ہے۔

1. مغربی جامعات میں استشراقی و مرتدانہ رجحانات

مغربی جامعات میں اسلامیات (Islamic Studies) کے شعبہ جات میں عموماً وہی بیانیہ غالب ہے جو مستشرقین نے تشکیل دیا۔ ان جامعات میں اسلام کو بطور "مطالعہ" یا "تاریخی مظہر" پیش کیا جاتا ہے، نہ کہ بحیثیت زندہ مذہب۔ قرآن کی نزولی تاریخ، حدیث کی روایت، اسلامی قانون کا ارتقاء — ان تمام شعبوں میں عموماً تشکیکی، تجزیاتی اور تاریخی تنقیدی (Historical-Critical) طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ اور محققین اسلام کو وحی اور نبوت کی بجائے ایک انسانی ساختہ مظہر کے طور پر دیکھنے لگتے ہیں۔

یہی رجحان مرتدینِ اسلام میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ بھی اسلامی عقائد اور تاریخی مصادر کو انہی مغربی معیارات کے تحت پرکھتے ہیں اور انہی جامعات میں سیکھے گئے فکری اصولوں کے تحت اسلام کی تعبیر نو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ فکری ہم آہنگی محض اتفاق نہیں بلکہ باقاعدہ ذہن سازی کا نتیجہ ہے۔

2. بین الاقوامی میڈیا میں اسلام کا منفی تاثر

استشراقی فکر کے اثرات میڈیا میں زیادہ واضح اور پُر زور دکھائی دیتے ہیں۔ مغربی نیوز چینلز، ڈاکیومنٹریز، فلمیں اور ڈرامے اکثر اسلامی شخصیات، قوانین اور ثقافت کو دقیانوسیت، شدت پسندی یا غیر انسانی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس تاثر کی بنا پر مسلم نوجوانوں میں اپنی دینی شناخت کے بارے میں احساسِ کمتری اور شکوک پیدا ہوتے ہیں۔

یہی فضا ارتداد کی نرسری بنتی ہے، جہاں مذہب کو انسان کی فطری آزادی کی راہ میں رکاوٹ اور قرآن و سنت کو ایک مخصوص تہذیبی سیاق میں قید تصور کیا جاتا ہے۔ مستشرقین کی لکھی کتابیں اور ان کے تسلیم شدہ بیانیے میڈیا کے لیے حوالہ جاتی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے ان کے خیالات مزید عام ہوتے ہیں۔

3. سوشل نیٹ ورکس اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز

فیس بک، ٹوئٹر (ایکس)، یوٹیوب، انسٹاگرام اور ٹک ٹاک جیسے پلیٹ فارمز پر ارتدادی اور استشراقی افکار کی اشاعت ایک ساجی تحریک کا رنگ اختیار کر چکی ہے۔ خاص طور پر مسلم نوجوانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جذباتی سوالات، علمی الجھنیں، متنازعہ احادیث، خواتین کے حقوق، غلامی، ارتداد، جہاد، شریعت کی سزائیں — ان جیسے موضوعات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ دین سے بدگمانی پیدا ہو۔

بعض سابق مسلم یوٹیوبرز اور سوشل میڈیا ایکٹوسٹس — جنہوں نے مغربی تعلیمی اداروں سے تربیت حاصل کی مرتدین کے بیانیے کو متاثر کن انداز میں پھیلاتے ہیں۔ ان کے ویڈیوز، پوڈکاسٹس اور بلاگز میں استشراقی علوم کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں اور مغربی حقوقِ انسانی کے تناظر میں اسلامی تعلیمات کو چیلنج کیا جاتا ہے۔

4. تعلیمی و میڈیا اشتراک کی ترکیب

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مغربی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے والے بہت سے افراد بعد میں میڈیا یا سوشل نیٹ ورکس کا حصہ بن جاتے ہیں، اور وہاں وہی افکار منتقل کرتے ہیں جو انہوں نے وہاں سیکھے۔ مثلاً بعض "اسلامی اسکالرز" جو خود کو آزاد مفکر کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ قرآن کی تفسیر میں استشراقی نقطہ نظر اپناتے ہیں، نبوت کے مفہوم پر سوال اٹھاتے ہیں، اور شریعت کے اصولوں کو مغربی قوانین سے کمتر یا متضاد قرار دیتے ہیں۔ مغربی جامعات، میڈیا اور سوشل نیٹ ورکس نے استشراقی اور مرتدانہ افکار کے لیے ایک ہم آہنگ اور مؤثر فکری نظام تشکیل دیا ہے۔ ان تینوں ذرائع کے ذریعے اسلامی عقائد، تاریخ، ثقافت اور تہذیب کو تخفیف، تشکیک اور تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس ماحول میں اسلامی نوجوانوں کے لیے اپنی فکری، دینی اور تہذیبی شناخت کو محفوظ رکھنا سب سے بڑا چیلنج بن چکا ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

خلاصہ

زیرِ نظر تحقیقی مطالعہ مستشرقین (Orientalists) اور مرتدین (Apostates) کے ان افکار و مناہج کا ایک علمی و تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے جو انہوں نے غیر مسلموں کے حوالے سے اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ ان افکار میں عموماً قرآن و سنت کی تعبیرات کو بگاڑ کر اسلام کی عالمگیر دعوت، اقلیتوں سے تعلق، جہاد، شریعت، اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق تعلیمات کو غلط طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس جائزے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ افکار نہ صرف علمی بددیانتی پر مبنی ہیں بلکہ ان کا مقصد اسلام کی امن پسند اور ہمہ گیر تعلیمات کو مشکوک بنانا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ مستشرقین نے غیر مسلموں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو متعصب انداز میں پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ ظلم، جبر، اور عدمِ رواداری کا رویہ رکھتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتدین نے ذاتی تجربات یا مخصوص مغربی افکار سے متاثر ہو کر اسلامی منہج کو متشدد، پسماندہ یا غیر انسانی قرار دیا۔ ان آراء کا علمی تجزیہ قرآن، سنت، فقہ اسلامی، اور تاریخی شواہد کی روشنی میں کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات غیر مسلموں کے ساتھ عدل، رحمت، اور پرامن بقائے باہمی کی داعی ہیں۔ اسلامی مفکرین کی طرف سے ان باطل افکار پر کیے گئے علمی رد کو بھی شامل کیا گیا ہے، جن میں علامہ شبلی نعمانی، سید قطب، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ڈاکٹر فتحی یکن جیسے جلیل القدر اہل علم کی آراء اور منہجی اسلوب شامل ہیں۔ اس مطالعہ کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ اسلام ایک عالمی دین ہے جو غیر مسلم اقوام کے ساتھ نہ صرف مکالمے اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے بلکہ ان کے بنیادی انسانی و مذہبی حقوق کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ یہ مطالعہ علمی دنیا کے لیے ایک دعوت فکر ہے کہ وہ استشراقی و مرتدانہ دعووں کو آنکھ بند کر کے قبول کرنے کے بجائے اسلامی مصادر کی بنیاد پر غیر جانبدارانہ تحقیق اور تجزیہ کو اپنائے۔

مصادر و مراجع

1. ابوالحسن علی ندوی، مستشرقین اور اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، 1995ء۔
2. ابوالکلام آزاد، تذکرہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2000ء۔
3. اشفاق حسین، اسلام اور مغربی فکر، بزم فکر اسلامی، کراچی، 2007ء۔
4. امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 2004ء۔
5. حامد الانصاری، اسلامی تہذیب اور مغرب، دار الاشاعت، لاہور، 2011ء۔
6. خالد علوی، اسلام اور جدید فکری چیلنجز، مکتبہ العصر، لاہور، 2018ء۔
7. راشد شاز، اسلام کا عالمی تناظر، التراث فاؤنڈیشن، دہلی، 2012ء۔
8. سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2003ء۔
9. سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، قاہرہ، 2005ء۔
10. شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006ء۔
11. طارق رمضان، اسلام اور مغرب کی کشمکش، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2016ء۔
12. علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2004ء۔
13. فتح محمد ملک، اقبال اور تصورِ دین، اقبال اکادمی، لاہور، 2001ء۔
14. محمد حسن عسکری، اسلامی تہذیب اور اس کے مباحث، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1999ء۔
15. مولانا مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم، مکتبہ رشیدیہ، لاہور، 1993ء۔

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

Bibliography

1. .Ali, Ameer. The Spirit of Islam. London: Christophers, 1922
2. .Esposito, John L. Islam and the West. Oxford University Press, 1992
3. .Gibb, H. A. R. Modern Trends in Islam. University of Chicago Press, 1947
4. Goldziher, Ignaz. Introduction to Islamic Theology and Law. Princeton .University Press, 1981
5. .Hourani, Albert. A History of the Arab Peoples. Faber & Faber, 1991
6. .Reynolds, Gabriel Said. The Emergence of Islam. Fortress Press, 2012
7. .Ruthven, Malise. Islam in the World. Oxford University Press, 2006
8. ,Schacht, Joseph. The Origins of Muhammadan Jurisprudence. Clarendon Press .1950
9. .Watt, W. Montgomery. Muhammad at Mecca. Oxford University Press, 1953
10. .Wensinck, A. J. The Muslim Creed: Its Genesis and Historical Development .Cambridge University Press, 1932